امارت اسلامی افغانستان کے چھے ماہ

ڈاکٹر محمد اقبال خلیل ○

۱۵/اگست ۲۰۲۱ء کی شام کو امریکی سرپرستی میں قائم افغان آرمی نے کابل کو خالی کر دیا تھا۔ صدر اشرف غنی سمیت بیش تر حکومتی لوگ ملک چھوڑ گئے اور تحریک طالبان افغانستان کے رضا کاروں نے آگے بڑھ کر دارالحکومت کا انتظام سنبھال لیا تھا۔ ۱۵ فروری ۲۰۲۲ء کو ان کے اقتدار کو قائم ہوئے چھے ماہ ہو چکے ہیں، جب کہ باقاعدہ حکومت کا قیام اور عبوری کابینہ کا اعلان ۲۸ ستمبر کو کیا گیا۔

تحریک طالبان افغانستان کا آغاز ۱۹۹۰ء کے عشرے میں ہوا۔ جب ۱۹۹۲ء میں ڈاکٹر نجیب اللہ کی ماسکو نواز حکومت کا خاتمہ ہوا اور افغانستان میں مجاہدین کے دھڑوں کی باہم لڑتی بھڑتی حکومت قائم ہوئی۔ باہم اختلافات، خانہ جنگی اور لاقانونیت کی وجہ سے صوبوں کی سطح پر مقامی کمانڈروں نے اپنی عمل داری قائم کر لی اور ملکی سطح پر مضبوط حکومتی کنٹرول قائم نہ ہوسکا۔ نتیجہ یہ کہ ملک میں بدامنی کا راج تھا۔ عوام میں بے چینی اور عدم تحفظ کا احساس عام تھا۔ اس دور میں قندھار سے ملا عمر اخوند کی قیادت میں تحریک طالبان کا ظہور ہوا۔ جس نے کچھ ہی عرصے میں ملک گیر مقبولیت حاصل کر لی۔ ۱۹۹۶ء میں تحریک طالبان نے کابل پر قبضہ کر کے افغانستان میں اپنی حکومت قائم کر لی اور امارت اسلامی افغانستان کے نام سے ملک کو ایک اسلامی شناخت دی۔ یہ حکومت ۲۰۰۱ء تک قائم رہی۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء میں امریکا میں تخریب کاری کا ایک بڑا واقعہ پیش آیا تو امریکا نے اس کی ذمہ داری القاعدہ کے سربراہ اسامہ بن لادن پر عائد کی، جو اس وقت افغانستان میں مقیم تھے۔ امریکا نے ملا عمر سے مطالبہ کیا کہ اسامہ بن لادن کو ان کے حوالے کیا جائے، لیکن انھوں نے انکار

○ چیئرمین انسٹی ٹیوٹ آف ریجنل اسٹڈیز، پشاور

کیاچنانچہ امریکی اور ناٹو افواج نے افغانستان پرحملہ کردیا۔ اورشمالی اتحاد کی مدد سے کابل پرقبضہ کرکے حامدکرزئی کی قیادت میں اپنی مرضی کی حکومت قائم کردی۔دسمبر۲۰۰۱ء سے لے کر فروری۲۰۲۰ء تک تحریک طالبان مسلسل غیرملکی افواج سے حالتِ جنگ میں رہی اور بالآخر ۲۹ فروری ۲۰۲۰ء کوقطر کے دارالحکومت دوحہ میں تحریک طالبان اور امریکی حکومت کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا،جس کی بنیاد پرافغانستان سے غیرملکی افواج کاانخلاعمل میں آنا تھا۔

امریکی فوج کاانخلا

جون۲۰۲۱ء میں امریکی صدر جوبائیڈن نے اچانک ۳۱/اگست ۲۰۲۱ء تک افغانستان سے امریکی فوج کی واپسی کا اعلان کرکے جہاں دنیاکوحیران کردیا، وہاں مزاحمتی تحریک طالبان کو بھرپوراعتماد سے پیش قدمی کاموقع بھی فراہم ہوگیا۔ امریکی سرپرستی میں تشکیل کردہ افغان فوج ریت کا ڈھیر ثابت ہوئی،افغان صدراوران کی کابینہ ملک سے فرار ہوگئے اور ۱۵/اگست کوطالبان کابل میں داخل ہوگئے۔۱۶/اگست سے ۳۱/اگست کے دن تک کابل ائیرپورٹ پرانتہائی افسوس ناک واقعات ہوئے، جب کہ اس کا انتظام ۵ ہزار سے زائدامریکی فوج کے پاس رہا۔اس دوران ایک لاکھ ۲۰ہزار سے زائدغیرملکی اوران کاساتھ دینے والے مقامی افرادکاانخلاعمل میں آیا۔انھی دنوں دہشت گرد تنظیم 'داعش' نے خودکش حملہ بھی کیا،جس میں ۱۳/امریکی فوجیوں سمیت ۲۰۰/افغان مارے گئے۔امریکی فوج نے جانے سے پہلے کابل ائیرپورٹ پرکھڑے تمام جنگی جہاز، ہیلی کاپٹر، گاڑیاں اوردیگراملاک تباہ وبرباد کرکے ایک بدترین مثال قائم کی۔

طالبان تحریک نے دارالحکومت کابل پرقبضہ کے بعدصوبہ پنج شیر کےعلاوہ پورے ملک کا کنٹرول حاصل لیا۔احمدشاہ مسعود کے بیٹے احمدمسعوداورنائب صدرامراللہ صالح نے وادیِ پنج شیر میں چندروزمزاحمت کے بعدراہ فراراختیارکی۔

۱۷/اگست کےفوراًبعد طالبان نے حکومت سازی کے لیے مشاورت کا آغاز کیا۔قندھار میں تحریک طالبان کے امیرمُلّا ہیبت اللہ کی زیرصدارت رہبری شوریٰ کا تین روزہ اجلاس ہوا۔ پہلے مرحلے میں مختلف محکموں،کابل انتظامیہ اورمرکزی بنک کےصدر کےطور پر ۱۲ شخصیات کا اعلان کیا گیا۔اس دوران کابل میں سابق صدرحامدکرزئی،ڈاکٹرعبداللہ عبداللہ اورانجینیر گلبدین حکمت یار

سے مشاورت کی گئی، جس سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ایک وسیع البنیاد حکومت کا قیام عمل میں لایا جارہا ہے۔ اس دوران طالبان کے ترجمان سہیل شاہین، ذبیح اللہ مجاہد، اور دیگر زعماء نے میڈیا پر بہترین ترجمانی کی۔ عام معافی کا اعلان، تعلیمی اداروں میں تعلیم کا آغاز اور بازاروں اور بنکوں میں لین دین کا آغاز ہوا۔ محرم الحرام میں اہل تشیع کے جلوس اور خواتین کے مظاہروں کی اجازت دی گئی۔ البتہ جس عبوری کابینہ کا اعلان کیا گیا، اس میں صرف طالبان رہنماؤں کو شامل کیا گیا ہے۔

مُلّا محمد حسن اخوند کو وزیراعظم مقرر کیا گیا ہے، جب کہ ملا عبدالغنی برادر اور ملا عبدالسلام حنفی کو نائب وزیراعظم کے عہدے سونپے گئے ہیں۔ دیگر اہم شخصیات میں ملا عمر کے صاحبزادے ملا یعقوب کو وزیر دفاع، سراج الدین حقانی کو وزیر داخلہ، ملا امیر خان متقی وزیر خارجہ اور ملا فصیح الدین بدخشانی کو چیف آف آرمی سٹاف مقرر کیا گیا ہے۔ اب تک ۶۷/افراد کو وزارتیں و دیگر اہم مناصب دیئے جاچکے ہیں۔ یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ۱۱ ستمبر کو تقریب حلف برداری ہوگی۔ لیکن پھر اس کو ملتوی کر دیا گیا۔ مرکز کے علاوہ افغانستان کے ۳۴ صوبوں اور ۴۰۰ اضلاع میں بھی تمام مناصب پر تعیناتی کی جاچکی ہے اور ملک کے طول وعرض پر امارت اسلامی کا کنٹرول قائم ہوچکا ہے۔

طالبان حکومت کے لیے چیلنج

اس سب کے باوجود افغانستان میں طالبان حکومت کو سخت چیلنجوں اور مسائل کا سامنا ہے:

- بین الاقوامی سطح پر امریکی اور یورپی اقوام اور پڑوسی ممالک کا رسمی طور پر اس حکومت کو تسلیم نہ کرنا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ پاکستان نے بھی اب تک طالبان حکومت کو رسمی طور پر تسلیم نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے امارت اسلامی کو عالمی سطح پر تنہائی کا سامنا ہے۔
- اقتصادی صورتحال کو کنٹرول کرنا، پابندیوں اور عدم تعاون سے عہدہ برآ ہونا۔ گذشتہ حکومت کے خاتمے سے شہروں میں بڑے پیمانے پر بے روزگاری پیدا ہوئی ہے۔ سامان خوراک کی طلب میں اضافہ اور گرانی اور مہنگائی میں اضافے کا مسئلہ فوری طور پر حل طلب ہے۔
- بچیوں کی تعلیم اور خواتین کے تعلیمی اداروں کی بندش بھی ایک قابل توجہ مسئلہ ہے۔
- تجربہ کار، تعلیم یافتہ اور ہنرمند افراد کا ملک چھوڑنا بھی تشویش ناک عمل ہے۔
- حکومت سازی میں طالبان کے علاوہ دیگر اہم شخصیات کو اقتدار میں شامل نہ کرنا بھی مشکلات

میں اضافہ کرسکتا ہے، اور مختلف عناصر کو دوبارہ منظم کرنے کا موقع فراہم کرسکتا ہے۔

طالبان حکومت کے اقدامات

گذشتہ چھے ماہ میں امارت اسلامی افغانستان کی قیادت نے کئی ایسے ٹھوس اور مؤثر اقدامات کیے ہیں جس سے موجودہ حالات کے تقاضوں کو پورا کرنے اور افغان عوام کے مسائل حل کرنے میں واضح پیش رفت نظر آرہی ہے۔ ان میں سے چند اقدامات درج ذیل ہیں:

● باقاعدہ افغان فوج کا قیام: گذشتہ دور میں بننے والی افغان فوج اور پولیس تو طالبان حکومت کے قائم ہوتے ہی تحلیل ہوگئی تھی، لیکن اسلحہ اور گولہ بارود کی بڑی مقدار طالبان کے ہاتھ آئی۔ طالبان حکومت نے نہ صرف مالِ غنیمت میں ملنے والے تمام فوجی ساز وسامان کی حفاظت کی بلکہ فوجی چھاؤنیوں، ہوائی اڈوں اور اسلحہ خانوں کی فہرستیں مرتب کرکے ان کو منظم کیا۔ پورے ملک کے طول وعرض میں قائم عسکری اڈوں اور تنصیبات کے لیے ذمہ دار مقرر کیے گئے اور کہیں بھی افراتفری، ہڑبونگ کا مظاہرہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ فوجی تنصیبات کے ساتھ اضلاع کی سطح پر پولیس کے محکمے کو بھی اسی طرح فعال رکھا گیا۔ اب تک کی اطلاعات کے مطابق ایک لاکھ ۷۰ ہزار افراد پر مشتمل باقاعدہ فوج تشکیل دی گئی ہے۔ اسی طرح سرحدی علاقوں کی حفاظت کے لیے بھی علیحدہ فورس قائم کی گئی ہے۔ جنگی جہازوں اور ہیلی کاپٹروں پر مشتمل فضائی فوج بھی تشکیل دی گئی ہے۔ البتہ پائلٹوں کی کمی، پرزہ جات اور ناکارہ جہازوں کو کارآمد بنانے کا مسئلہ درپیش ہے۔

● تعلیم اور صحت کے شعبہ جات میں اقدامات: عوامی خدمات فراہم کرنے والے اداروں میں 'محکمۂ تعلیم' اور 'محکمۂ صحت' بہت اہمیت کے حامل ہیں، جس کو جاری رکھنا حکومت کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے۔ طالبان حکومت کے لیے اول روز سے یہ کام ایک چیلنج کے طور پر سامنے آیا۔ طالبان کے گذشتہ دور میں بھی ان پر زیادہ تنقید اس حوالے سے ہورہی تھی۔ اس لیے اس بار انھوں نے کوشش کی ہے کہ یہ ادارے بند نہ ہونے پائیں۔ اس میں سب سے بڑا مسئلہ اساتذہ اور دیگر عملہ کی تنخواہوں کی ادائیگی کا تھا۔ ابتدائی چند ماہ میں ان کو جزوی ادائیگی ہوتی رہی، جب کہ اب اقوام متحدہ کے ادارے 'یونیسیف' اور دیگر عالمی امدادی اداروں کے تعاون سے واجبات کی ادائیگی باقاعدگی سے جاری ہے۔ سردی سے متاثرہ علاقوں کے علاوہ پورے ملک میں

تمام سرکاری اور نجی تعلیمی ادارے فعال ہیں۔نجی تعلیمی اداروں کو زیادہ مشکلات کا سامنا ہے۔ اندازاً ۴۰ فی صد طلبہ کم ہو گئے ہیں۔جس کی بڑی وجہ معاشی مسائل ہیں۔

ہسپتالوں اور طبی مراکز کو بھی پوری طرح فعال کر دیا گیا اور ان کے عملے کی تنخواہیں بھی عالمی ادارے IRCRC (عالمی ادارہ صحت) وغیرہ دے رہے ہیں۔البتہ ڈاکٹروں اور طبّی عملے کی کمی اور ادویات کی نایابی کا مسئلہ کئی جگہ موجود ہے۔مریضوں کے علاج معالجے کے لیے پشاور، ایران اور بھارت جانے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

● خواتین کی تعلیم: طالبان کو خاص طور پر خواتین کی تعلیم کے حوالے سے تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ طالبان کا موقف یہ ہے کہ طالبات کی تعلیم کے خلاف نہیں لیکن مخلوط تعلیم برداشت نہیں کر سکتے کیونکہ یہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔اس وقت پرائمری سے یونی ورسٹی کی سطح پر علیحدہ کلاسوں کا بندوبست کر لیا گیا ہے۔ ہر تعلیمی ادارے میں صبح کے وقت لڑکوں کی کلاسیں ہوتی ہیں، جب کہ دوپہر کے وقت طالبات پڑھتی ہیں اور پردہ کی پابندی کرتی ہیں۔خاتون اساتذہ کی کمی کا مسئلہ درپیش ہے۔ طالبان نے خواتین ملازمین کے بارے میں بھی پہلے کے مقابلے میں نرم رویہ اختیار کیا ہے، اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں خواتین کو کام کرنے کی اجازت دی ہے۔

● اقتصادی چیلنج کا سامنا: امارت اسلامی افغانستان کو سب سے بڑا چیلنج اقتصادی میدان میں درپیش ہے۔گذشتہ ۲۰ سال میں امریکا کی قیادت میں اتحادی ممالک نے افغانستان پر کھربوں ڈالر خرچ کیے اور صرف امریکا نے دو کھرب ڈالر خرچ کر ڈالے۔ افغانستان میں ایک طرح سے یہ بہت بڑی سرمایہ کاری ہوئی۔صرف فوج اور پولیس کے شعبوں میں چار لاکھ کے لگ بھگ افغانی بھرتی ہوئے اور ان کو ڈالروں میں تنخواہیں ملتی تھیں۔اسی طرح حکومت کے تمام شعبوں میں ملازمین کو تنخواہیں غیرملکی فنڈز سے ادا کی جاتی تھیں۔ روسی تسلط کے زمانے میں یہی کام ماسکو حکومت کرتی تھی۔ امریکی انخلا کے بعد امریکی تنخواہیں نہ ملنے سے لاکھوں افغانی بے روزگار ہو گئے، معاشی سرگرمیاں ختم ہو گئیں اور کئی بنک اور کاروباری ادارے دیوالیہ ہو گئے۔

طالبان کی قیادت نے کمال حکمت و فراست کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملکی معیشت کو ایک حد سے گرنے نہیں دیا۔ملک میں امن و امان قائم کرنے اور مواصلاتی نظام کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ

بنک کاری کے نظام کو بھی سہارا دیا۔ افغان مرکزی بنک کا سربراہ حاجی محمد ادریس کو پہلے ہی مرحلے میں مقرر کیا گیا اور انھوں نے بنک کا انتظام سنبھالتے ہی تمام بنکوں کو روزانہ کم از کم سرمایہ فراہم کرنا شروع کر دیا، البتہ یہ پابندی لگائی کہ ہر فرد اپنے کھاتے سے ہفتے میں دوسو ڈالر یا اس کے برابر افغان کرنسی نکال سکتا ہے، اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ انھوں نے تمام نجی بنکوں کے سربراہوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے ملازمین کو فارغ نہیں کریں گے اور کم از کم نصف تنخواہ کی ادائیگی جاری رکھیں گے۔ اس کے علاوہ کاروباری حضرات کو مزید سہولتیں بھی دی گئیں اور سرکاری ملازمین کو پہلے چند ماہ نصف تنخواہ اور اب مکمل تنخواہیں دینے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ اس طرح لاکھوں افراد بے روزگار ہونے سے بچ گئے اور اندرون ملک کاروباری ماحول بحال ہو چکا ہے۔ بڑے پیمانے پر تعمیراتی کام، خصوصاً شاہراہوں کی تعمیر و مرمت کچھ حد تک بحال ہو چکی ہے اور سرکاری ٹھیکے بھی جاری ہو گئے ہیں۔ البتہ مکمل طور پر اقتصادی ترقی بحال نہیں ہوئی اور ملک میں مجموعی طور پر غربت اور بے روزگاری میں اضافہ ہوا ہے۔ بنکوں میں ATM کی سہولت ابھی تک بحال نہیں کی جاسکی ہے۔

● **بیرونِ ملک تجارت:** بین الاقوامی سطح پر پابندیوں اور بنکاری کی سہولتوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے جہاں اندرونِ ملک اقتصادی سرگرمیاں ماند پڑ گئی ہیں، وہاں بیرونِ ملک تجارت بھی بُری طرح متاثر ہوئی۔ افغانستان کو چونکہ سمندر تک رسائی حاصل نہیں ہے، اس لیے اس کا انحصار پاکستان اور ایران کی بندرگاہوں پر ہے اور پوری دنیا سے درآمدات و برآمدات کے لیے وہ کراچی اور بندرعباس اور چاہ بہار کو استعمال کرتا ہے۔ علاوہ ازیں پڑوسی ممالک تاجکستان، ازبکستان، ترکمانستان کے ساتھ زمینی تجارت بھی ہوتی ہے۔ یاد رہے ابتدائی کچھ عرصے میں باہمی تجارت بند رہی۔ اب ملک میں اشیائے خوردونوش، غذائی اجناس، تعمیراتی اور دیگر ساز و سامان کی فراہمی جاری ہے۔ خاص طور پر پاکستان کے ساتھ افغانستان کی تجارت تقریباً بحال ہو چکی ہے اور روزانہ کی بنیاد پر ہزاروں ٹرک طورخم، چمن و دیگر سرحدی گزرگاہوں سے سامان لے جا رہے ہیں۔

بیرونی تجارت میں اس وقت سب سے بڑی رکاوٹ بنک کاری کی سہولتوں کی کمی ہے۔ جس سے تاجروں کو بیرونی کرنسی کے کاروباری معاملات میں مشکل درپیش ہے۔ سب سے بڑا مسئلہ افغان مرکزی بنک کے بیرونی اثاثہ جات ہیں، جو ۹؍ارب ڈالر سے زیادہ ہیں اور جو امریکی

بنکوں میں منجمد کر دیئے گئے ہیں۔ امریکی صدر جو بائیڈن نے حال ہی میں اس رقم کو اپنے استعمال میں لانے کا عندیہ دیا ہے۔ اور اس میں سے یک طرفہ اور جبری طور پر نصف رقم ۲۰۰۱ء میں امریکا میں دہشت گردی کے واقعے میں ہلاک ہونے والے امریکی شہریوں کے لواحقین کو دینے کا اعلان کیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی ناانصافی اور سنگین جرم ہے جس کا امریکی حکومت ارتکاب کرنے جارہی ہے۔ اس اعلان سے قبل اقوام متحدہ کے جنرل سیکریٹری انا تیونیو گیوٹریس نے کئی بار امریکی حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ یہ پابندی ختم کردے اور افغان قوم کی یہ امانت اسے واپس دے۔

● ہوائی اڈوں اور ملکی و غیرملکی پروازوں کی بحالی: افغانستان میں موجود دو درجن کے لگ بھگ ائرپورٹوں پر امریکی انخلا کے بعد پروازوں کی آمدورفت رک گئی تھی۔ ان ہوائی اڈوں کا انتظام اور پروازوں کی رہنمائی میں مدد دینے والا تکنیکی عملہ بھی غائب ہوگیا تھا، لیکن طالبان نے بڑے شہروں پر قبضے کے بعد سب سے پہلے ہوائی اڈوں کا کنٹرول اپنے ہاتھ میں لیا تھا اور پوری کوشش کی گئی ہے کہ وہاں موجود جہازوں، ورکشاپوں، مشینری و دیگر تنصیبات کو کسی بھی قسم کا نقصان نہ پہنچنے پائے۔ اس مقصد میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ اس طرح دو ماہ کے عرصے میں انھوں نے ملکی سطح پر تمام ہوائی اڈوں اور پروازوں کو بحال کرلیا اور اس وقت افغان قومی ائیرلائن اور نجی کمپنیوں کی پروازوں کا سلسلہ جاری ہے۔ بیرون ملک پروازوں کا سلسلہ بھی کافی حد تک بحال ہو چکا ہے۔ پاکستان، متحدہ عرب امارات، ایران، ترکی، قطر و دیگر ممالک سے جہازوں کی آمدورفت شروع ہو چکی ہے۔ اسی طرح اقوام متحدہ کے اداروں اور انٹرنیشنل ریڈ کراس کے جہازوں کی آمدورفت بھی جاری ہے۔ امدادی سامان بھی ہوائی جہازوں کے ذریعے سے آرہا ہے۔ پاکستان سے پی آئی اے کی کمرشل پروازیں بھی بحال ہوچکی ہیں۔

● بین الاقوامی سفارتکاری اور پابندیاں: عبوری وزیر خارجہ امیر خان متقی ایک قابل شخصیت ہیں اور گذشتہ طالبان دور میں بھی اہم حکومتی مناصب پر رہے ہیں۔ انھوں نے وزارت خارجہ کا چارج سنبھالتے ہی بیرونی رابطوں کے لیے بھرپور سرگرمی دکھائی۔ ان سے پہلے نائب صدر مُلّا عبدالغنی برادر اور نائب وزیر خارجہ عباس ستانکزئی نے بھی دوحہ مذاکرات کے دوران اور اس کے بعد عالمی سطح پر بہترین سفارت کاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ امریکا کے علاوہ دوسری عالمی طاقتوں

چین اور روس سے بھی بڑے پیمانے پر مذاکرات کیے اور کئی اہم کانفرنسوں میں تحریک طالبان افغانستان کی ترجمانی کی ۔اس وقت بھی وزیر خارجہ امیر خان متقی اور ان کی ٹیم تمام اہم بیرونی طاقتوں کے ساتھ رابطے میں ہیں،اور افغانستان کے مسائل کے حل اور اقتصادی معاملات میں تعاون کے حصول میں کامیابی حاصل کر رہے ہیں۔ انھوں نے مسلم ممالک کی نمایندہ تنظیم اسلامی کانفرنس کے حالیہ اجلاس منعقدہ اسلام آباد میں شرکت کی اور ناروے میں یورپی ممالک کی تنظیم یورپی یونین کے ساتھ بھی مذاکرات کیے ہیں ۔اس وقت اقوام متحدہ کے تمام ذیلی اداروں UNICEF، WHO اور ICRC وغیرہ کے دفاتر کابل میں فعال ہیں اور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر افغان عوام کے لیے ریلیف سرگرمیوں میں مصروفِ عمل ہیں، جب کہ یورپی یونین،روس، چین، ترکی، پاکستان، ایران و دیگر کئی ممالک کے سفارتخانے کابل میں کام کر رہے ہیں۔

● امارت اسلامی کو رسمی طور پر تسلیم نہ کرنا: ابھی تک کسی بھی ملک نے 'امارت اسلامی افغانستان' کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ اقوام متحدہ میں بھی افغانستان کی نمایندگی طالبان کو نہیں ملی ہے۔ گذشتہ دور میں پاکستان،سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات نے اس کو تسلیم کیا تھا۔ لیکن اب تک ان ممالک نے بھی رسمی طور پر امارت اسلامی افغانستان کو سفارتی درجہ نہیں دیا ہے۔ اسی طرح دیگر پڑوسی ممالک ،تاجکستان ،ازبکستان،ترکمانستان اور ایران نے باقاعدہ طور پر تسلیم نہیں کیا ہے۔ پھر روس اور چین نے مذاکرات کے باوجود تسلیم نہیں کیا ہے۔ترکی، قطر،آذربائیجان اور ملائیشیا سمیت کسی بھی مسلم ملک نے خیرسگالی کے جذبات کے اظہار کے باوجود اس کو تسلیم نہیں کیا۔۲۹ فروری ۲۰۲۰ء کو امریکی حکومت نے طالبان کی قیادت کے ساتھ طویل مذاکرات کے بعد صلح اور امن کا معاہدہ کیا اور اسی معاہدے کی بنیاد پر امریکی ونیٹو افواج کا افغانستان سے پُرامن انخلا وقوع پذیر ہوا۔ اس کے باوجود امریکا اور اس کے زیر اثر اہم ممالک برطانیہ، جرمنی، جاپان و دیگر یورپی ممالک، امارت اسلامی افغانستان کو تسلیم نہیں کر رہے ہیں۔

بھارت نے گذشتہ بیس سال میں صدر اشرف غنی اور حامد کرزئی کی حکومتوں کے ساتھ قریبی تعلقات قائم رکھے اور افغانستان میں اپنے مخصوص مفادات کو تحفظ دینے کے لیے بڑے پیمانے پر تعمیراتی اور رفاہی کام کیے، جس کے نتیجے میں افغان عوام میں بالعموم بھارت کے لیے

مثبت جذبات پائے جاتے ہیں، جو اس کی سفارتی حکمت عملی کی کامیابی ہے۔ بھارت نے سفارتی سطح پر رابطوں کے باوجود اب تک طالبان حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ یہ بڑی عجیب وغریب صورتِ حال ہے کہ ایک ایسی حکومت کو تسلیم نہیں کیا جا رہا، جس نے گذشتہ چار عشروں سے ایک شورش زدہ ملک میں مکمل امن وامان اور مرکزی حکومت کی رٹ قائم کر دی ہے، جو اس سے پہلے ظاہر شاہ کی بادشاہت کے بعد کبھی بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ درحقیقت حکومت کو اپنی تمام تر صلاحیتوں اور خوبیوں کے باوجود صرف اس لیے تسلیم نہیں کیا جا رہا کہ وہ اسلامی نظریے اور عقیدے کی بنیاد پر قائم ہے۔

● پاک افغان تعلقات: افغانستان کی پاکستان کے ساتھ ۲۶۰۰ کلومیٹر طویل سرحد ہے، جب کہ دونوں ممالک کے گہرے دینی، تہذیبی اور جغرافیائی رشتے ہیں۔ پاکستان کے لیے افغانستان میں یہ تبدیلی بہت اہم ہے۔ ایک طویل عرصے سے افغانستان کی سرزمین پاکستان مخالف تحریکوں اور تخریب کاری کے لیے استعمال ہوتی رہی ہے۔ بھارت نے بھی وہاں پر پاکستان دشمن عناصر کو منظم کیا تھا اور تربیتی اڈے قائم کیے۔ 'تحریک طالبان پاکستان' اور 'داعش' نے بھی افغان سرزمین کو پاکستان کے خلاف استعمال کیا ہے۔ اب ممکن ہے کہ ان تمام عناصر کے ساتھ سرحدی تخریب کاری کا قلع قمع کیا جاسکے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ افغانستان کی رائے عامہ میں پاکستان مخالف جذبات پائے جاتے ہیں۔ جن پاکستانی اخبار نویسوں نے حال ہی میں افغانستان کا دورہ کیا ہے، انھوں نے بھی اس کو محسوس کیا ہے۔ بھارتی سرپرستی میں قائم افغان ٹی وی چینل اور افغان قوم پرست حلقے اور کمیونسٹ عناصر بھی اس میں فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔

پاکستانی حکومت کے علاوہ تمام سیاسی و دینی جماعتوں، خدمت خلق کی تنظیموں، سماجی اداروں اور کاروباری تنظیموں اور شخصیات کو اس نازک موقع پر افغانستان کے عوام کا ساتھ دینا چاہیے۔ افغان عوام ایک عرصے سے پاکستان میں مہاجرین کی حیثیت سے رہتے چلے آ رہے ہیں۔ ان میں سے اب کئی خاندانوں کا دوسرا گھر پاکستان ہی ہے۔ اس طرح ہزاروں پاکستانی بھی افغانستان میں ملازمت یا کاروبار کرتے ہیں۔ پاکستان اور افغانستان کے درمیان صدیوں سے ثقافتی، مذہبی، قبائلی اور تجارتی روابط ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان روابط کو مزید مستحکم کیا جائے۔ اس کی ایک بہترین مثال حال ہی میں خیبر میڈیکل یونی ورسٹی، پشاور کا اقدام ہے کہ اس کے وائس چانسلر ڈاکٹر

ضیاء الحق نے افغان حکومت کے محکمۂ تعلیم کے وفد کی آمد کے موقعے پر اعلان کیا کہ وہ کابل میں افغان طلبہ و طالبات کی پیشہ ورانہ تربیت کے لیے میڈیکل اور نرسنگ کالجز پر مشتمل کیمپس قائم کریں گے۔اس کے علاوہ پاکستان میں میڈیکل اداروں میں زیرتعلیم افغان طلبہ و طالبات کو فیسوں میں رعایت دینے کا بھی وعدہ کیا گیا ہے۔لازماً یہ اقدام اُٹھانے چاہییں کہ پاکستان کے تمام اعلیٰ تعلیمی اداروں میں افغان طلبہ و طالبات کو تعلیمی وظائف پر داخلے دیئے جائیں۔اسی طرح عسکری اور دیگر تربیتی اداروں میں بھی افغانوں کو آنے کا موقع دیا جائے۔تجارتی سرگرمیاں بڑے پیمانے پر بحال کی جائیں، اور ہرممکن طریقے سے پاکستانی اور افغان تاجروں کو آسانیاں فراہم کی جائیں تاکہ افغانستان میں معاشی استحکام پیدا ہوسکے۔وزارتِ خزانہ کا یہ فیصلہ قابل قدر ہے کہ افغانستان کے ساتھ تجارت میں غیرملکی کرنسی کے بجائے ملکی کرنسی استعمال کی جائے گی۔

گذشتہ دنوں پاک افغان سرحد پر باڑھ لگانے کے معاملے پر دو مقامات پر افغان طالبان کی جانب سے مزاحمت کے واقعات سامنے آئے،جس سے تناؤ کی کیفیت پیدا ہوئی۔لیکن طالبان کی مرکزی قیادت نے فراست سے ان واقعات کا بروقت نوٹس لیتے ہوئے ذمہ دار افراد کو سزا دی۔ پاک افغان تعلقات میں ایک اور اہم مسئلہ 'تحریک طالبان پاکستان' (ٹی ٹی پی) کی جانب سے پاکستان میں تخریب کاری اور دہشت گردی کے واقعات ہیں،جس میں خاص طور پر پاکستانی فوج اور پولیس کے جوانوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔ان واقعات میں اضافہ قابلِ تشویش ہے، جس کی روک تھام کے لیے 'امارت اسلامی افغانستان' کے قائدین بالخصوص وزیرداخلہ سراج الدین حقانی اہم کردار ادا کررہے ہیں۔انھی کے ایما پر حکومت پاکستان اور تحریک طالبان پاکستان کے درمیان بالواسطہ مذاکرات کا سلسلہ بھی چلتا رہا اور ایک موقعے پر سیز فائر کا اعلان بھی ہوا۔لیکن اب تک صلح کی شرائط پر عدم اتفاق کی وجہ سے کوئی باقاعدہ معاہدہ وجود میں نہیں آسکا ہے۔

● موسم سرما کی شدت: افغانستان میں ہر سال موسم سرما بڑی مشکلات کا باعث بنتا ہے۔ایک وسیع علاقے میں دارالحکومت کابل سمیت برف باری کا سلسلہ ماہ دسمبر سے شروع ہوجاتا ہے اور برف باری کی وجہ سے راستے بند ہوجاتے ہیں اور کئی صوبوں میں قحط سالی کی صورتِ حال پیدا ہوجاتی ہے۔اس لیے اس موسم میں امداد اور سامان خوراک کی ضرورت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

یقیناً امارت اسلامی کی قیادت اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کی پوری کوشش کررہی ہے۔ عالمی سطح پر بھی اس انسانی المیہ کو اجاگر کرنے کی تگ ودو میں مصروف ہے۔ ورلڈ فوڈ پروگرام کے ذریعے افغانستان کے دور دراز علاقوں کو غذائی اشیا کی فراہمی جاری ہے۔ پاکستان نے پہلے مرحلے میں پچاس ہزار ٹن گندم افغانستان روانہ کی ہے۔ بھارت نے بھی پانچ لاکھ ٹن گندم کا اعلان کیا تھا۔ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، ترکی، قطر و دیگر کئی ممالک نے بھی امداد فراہم کی ہے۔

پاکستان کے کئی فلاحی اداروں اور مخیر حضرات نے افغانستان کے عوام کی مدد کی ہے، جن میں 'الخدمت فاؤنڈیشن پاکستان' نمایاں ہے، اور اب تک ۲۱ کروڑ مالیت کا سامان، جس میں غذائی اجناس، گرم ملبوسات اور ادویات ٹرکوں کے ذریعے افغانستان بھیجا جاچکا ہے، جب کہ کابل میں یتیموں کی دیکھ بھال کے لیے آغوش مرکز کے قیام کا منصوبہ بھی بنایا گیا ہے۔ الخدمت فاؤنڈیشن اور اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن (PIMA) کے تین رکنی وفد نے گذشتہ ماہ کابل کا تفصیلی دورہ کیا اور امارت اسلامی کے وزرا سے ملاقاتیں کیں۔ الخدمت نے امدادی سامان کی ایک کھیپ افغانستان روانہ کی ہے۔ لیکن یہ کافی نہیں ہے، مزید امداد اور تعاون درکار ہے۔

● داعش کا مسئلہ اور تخریب کاری: شام اور عراق سے نمودار ہونے والی بین الاقوامی تنظیم داعش (ISIS) نے افغانستان میں بھی اپنی شاخ قائم کردی تھی۔ افغانستان کے صوبے ننگرہار، پغمان اور کابل میں داعش کی موجودگی گذشتہ حکومت کے دور میں بھی منظرعام پر آچکی تھی۔ اس کی جانب سے بڑے پیمانے پر خودکش حملے اور بم دھماکوں کا سلسلہ جاری تھا۔ انھوں نے خاص طور پر افغانستان کی شیعہ ہزارہ برادری کو نشانہ بنایا تھا۔ ۱۷ اگست ۲۰۲۱ء کو کابل ائیرپورٹ پر داعش کی جانب سے حملہ ہوا تھا۔ اس کے بعد کابل، قندھار، اور قندوز میں خودکش حملے کیے گئے لیکن اب یہ سلسلہ کچھ تھم گیا ہے۔ گذشتہ سال طالبان کی آمد کے موقعے پر افغانستان کی پل چرخی جیل سے عام قیدیوں کی رہائی کے موقعے پر داعش کے ایک رہنما کو ہلاک کردیا گیا تھا، جس کی وجہ سے طالبان اور داعش کے درمیان کش مکش پیدا ہوئی۔ موجودہ حکومت نے داعش کی سرگرمیوں کو کنٹرول کرنے کے لیے مؤثر اقدامات کیے ہیں، جس کا نتیجہ سامنے آرہا ہے۔

● افغان میڈیا کا کردار: طالبان کے دوبارہ برسراقتدار آنے کے بعد ایک اہم شعبہ جو

متاثر ہوا ہے، وہ نشریاتی شعبہ ہے۔ آج کے دور میں یہ ایک طاقتور عنصر ہے، جو عوام اور ریاستوں کو متاثر کرتا ہے۔ دینی قوتوں کے لیے آزاد میڈیا سے معاملہ کرنا ایک نازک مسئلہ ہے۔ الیکٹرانک میڈیا چینلز اور سوشل میڈیا کی مقبولیت نے طالبان حکومت کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج کھڑا کر دیا ہے۔ ٹی وی پر خواتین کی موجودگی اور موسیقی کا استعمال قابلِ اعتراض پہلو ہیں۔ گذشتہ دور میں ۶۰ سے زائد ٹی وی چینلز معرض وجود میں آئے جن کو زیادہ تر بھارتی نشریاتی ادارے، دور درشن نے سٹیلائٹ سہولت فراہم کی اور پاکستان کے خلاف پروپیگنڈے کے لیے بھرپور انداز سے استعمال بھی کیا۔ طالبان نے میڈیا پر پابندی تو نہیں لگائی، لیکن ان کے لیے ضابطۂ اخلاق جاری کیا ہے۔

اشتہارات کی کمی اور دیگر معاشی مسائل کی وجہ سے نشریات بھی متاثر ہوئی ہیں۔ نائب وزیر نشریات ذبیح اللہ مجاہد اور ان کے ساتھیوں نے بڑی خوبصورتی سے ملکی اور بین الاقوامی صحافیوں سے معاملات کیے ہیں۔ غیرملکی خواتین صحافی بھی افغانستان میں موجود ہیں اور بین الاقوامی نشریاتی ادارے براہ راست افغانستان کے شہروں اور دیہات سے رپورٹیں نشر کر رہے ہیں۔ پاکستانی صحافی بھی بڑی تعداد میں افغانستان جا رہے ہیں، اور عوامی جذبات کے اظہار پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

مستقبل کے امکانات

افغانستان ایک خوب صورت ملک ہے۔ اس میں سیاحت کے فروغ کے لیے اچھے مواقع ہیں، لیکن بدقسمتی سے امریکی پابندیوں، بین الاقوامی پروازوں کی بندش اور بنکاری کی سہولیات کی عدم دستیابی کی وجہ سے حالات معمول پر نہیں آ رہے۔ افغانستان، پاکستان، ایران اور وسطی ایشیائی ممالک مل کر ایک وسیع و عریض خطۂ ارضی ہے، جو مستقبل میں بڑے انسانی، مالی اور جغرافیائی وسائل کی بنیاد پر دنیا میں ایک اہم سیاسی و نظریاتی کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

افغانستان میں معاشی بحالی اور امن و امان کا قیام طالبان حکومت کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔ طالبان کی قیادت راسخ العقیدہ علما پر مشتمل ہے اور موجودہ دور کے تقاضوں، عالمی سیاست کی پیچیدگیوں اور اسلام دشمن قوتوں کی سازشوں سے عہدہ برآ ہونا ان کے لیے ایک مشکل اور صبرآزما جدوجہد کا تقاضا کرتا ہے۔